نظرات

برطانوی سامراج سے ملک کو سیاسی اور فکری اعتبار سے آزاد ہوئے چار دہائیاں مکمل ہو چکی ہیں لیکن آزادی کا جو سنہرا خواب باشندگان وطن نے دیکھا تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ ابھی تک شرمندۂ تعبیر ہے۔

عام طور سے مفکرین نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ کوئی بھی نسل چالیس سال کے عرصے میں وہ اپنے جوہر دکھا کر میدانِ عمل سے پوری طرح ہٹ جاتی ہے اور پھر اس کی جگہ دوسری نسل لے لیتی ہے۔ انسان کی مکمل جوانی، فکری و جسمانی بلوغت طاقت و قوت اور مضبوطی کو پہونچنے کے لئے بھی چالیس سال کی عمر کا تذکرہ کتاب فطرت یعنی قرآن کریم میں آیا ہے:

حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً	یہاں تک کہ خوب جوان ہو گیا اور اپنی طاقت کو پہونچا اور چالیس سال کا ہو گیا۔

ملک کی چالیس سالہ سیاسی زندگی کا اگر بے لاگ جائزہ لیا جائے تو آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک نسل ختم ہو چکی ہے اور دوسری نسل نے سیاسی اقتدار سنبھال لیا ہے۔ چالیس سالہ طویل عرصے میں ہم نے مجموعی طور

پر کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ ایک بہت ہی غور طلب سنجیدہ اور اہم سوال ہے۔ جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زندہ قوموں کی ایک علامت اور نشانی یہ بھی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے اعمال کا محاسبہ کرتی ہے۔ اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیتی ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں؎

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

آزادی کے بعد پچھلے چالیس اکتالیس برسوں میں ملک نے مالی وسائل، مادی ترقی، سائنس اور ٹکنالوجی میں اضافہ، سیاسی استحکام، سوشل اور رفاہی اداروں کے ذریعے قابلِ ذکر تعمیر و ترقی میں پیش رفت کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ملک نے COUNTRY BUILDING میں بڑی حد تک ترقی کی ہے اور بین الاقوامی سطح پر اس کی حیثیت، انفرادیت اور قوت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک کردار کی تعمیر (NATIONAL BUILDING) کا سوال ہے تو ہمیں یہ تلخ حقیقت مان لینی چاہئے کہ اس میدان میں مایوس کن حد تک ہمارا ملک، ہمارا سماجی نظام اور ہماری اجتماعی زندگی پیچھے ہے۔ موجودہ اور آنے والی نسلوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور کردار سازی وقت کا اہم تقاضا ہے۔ ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ کسی بھی نظام کی تبدیلی کے لئے بنیادی چیز تعلیم و تربیت ہے۔

ملک کے بے پناہ داخلی و خارجی مسائل میں اہم ترین اندرونی مسئلہ آئے دن فرقہ پرستی، تشدد، تعصب، تنگ نظری، تفریق اور دہشت گردی کے غلط رجحانات کا تشویشناک حد تک فروغ اور بڑھاوا ہے۔ موجودہ وقت میں ملکی سالمیت، قومی وحدت اور فرقہ وارانہ یکجہتی کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ماضی میں

اس طرح کبھی نہیں رہا۔ آزادی کے اتنے عرصے کے بعد بھی ملک جارحانہ فرقہ پرستی کی لعنت سے آزاد نہیں ہو سکا۔

انگریز سامراج ملک سے چلے گئے لیکن ان کی شاطرانہ سیاسی چالیں جیسے اور پھر سے "لڑاؤ اور حکومت کرو" (DEA I DE RULE) کی پالیسی اقتدار پرست افراد اور جماعتوں کے ذہنوں میں پیوست ہے اور وہ محض اپنے حقیر ذاتی مفادات اور اغراض کے لئے قومی، ملکی اور اجتماعی مفاد کو بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ ان مایوس کن حالات میں جبکہ ملک بحرانی دور سے گذر رہا ہے ہمیں علاقائیت اور زبان و نسل کی تنگنائیوں سے بالاتر ہو کر انسانی، اخلاقی، روحانی اور مذہبی اقدار کی افادیت، اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کرنا ہے اور یہ بات عام لوگوں کے ذہن نشین کرانی ہے کہ ہماری قومی زندگی کے بقا اور ارتقار کا راز باہمی اتحاد اور یکجہتی میں مضمر ہے جبکہ انتشار اور تفریق قومی زندگی کی موت کی علامت ہے۔

ملک میں بسنے والے مختلف فرقوں کے ما بین نیز اپنے ہی فرقے کے مختلف طبقوں کے درمیان بھی آئے دن نت نئے حالات اور حوادث کے پیش نظر اعتماد و اعتبار کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔ خود ملکی سطح پر مسلم قیادت (LEADER SHEP) کا جو فقدان ہے اس کے سبب مسلم عوام کا اعتماد دانشوروں اور مفکرین کی جماعت سے اٹھتا جا رہا ہے، اب اکثر قائدین اور رہنمایان ملت کی صحیح بات بھی عوام کو مصلحت آمیز نظر آتی ہے۔

ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک اور اس کے موجودہ سیکولر نظام میں جہاں روز اول سے مختلف مذاہب کے پیروکار ایک ساتھ زندگی گزارتے چلے آ رہے ہیں لیکن اب موجودہ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر

قومی یکجہتی (COMMUNAL HARMONY) کے کاز کی تقویت اور اس کو بڑھاوا دینے کے لئے ہمارے نزدیک ضروری ہے کہ غیر مذاہب کے افراد اور دانشوروں سے انسانیت اور شرف آدمیت کے اعتبار سے قریب آتا جانا چاہیے۔ ایک دوسرے کے خیالات، نظریات، افکار، نقطۂ نظر اور معاشرتی و مذہبی زندگی کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس چیز کا احساس اکثریتی فرقہ کو بھی ہونا چاہیئے اور اقلیتی طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کو کرنا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ اس نفسیاتی نکتہ کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ صرف ایک دوسرے کے مذہب کی جانکاری ہی مسئلے کا حل نہیں جب تک ایک دوسرے فریق کے اندر برداشت اور تحمل کا جذبہ نہ ہو۔

ہمیں بہت سے ایسے لوگ مل جائیں گے جو مختلف مذاہب خاص طور پر دین اسلام کے بارے میں بدرجۂ اتم اور خصوصی علم رکھنے کے باوجود اس کی تشریح اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے اور نہ شرماتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اس سے خراب اور فرسودہ کوئی نظام ہی نہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال ہمیں اس غیر معقول نظریہ سے بھی ملتی ہے جس کا ان دنوں بڑے زور و شور کے ساتھ چرچا کیا جا رہا ہے کہ "اس ملک میں مسلم تہذیب و ثقافت کے نام کی کوئی چیز ہی نہیں" اس بے بنیاد نظریہ کے بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ع

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے؟

یہ واقعہ ہے کہ بہت سے لوگ دوسرے مذاہب اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقفیت کے باوجود انھیں ہضم نہیں کر پاتے۔ اسے ایک نظام زندگی (SYSTEM OF LIFE) سمجھنے کو تیار نہیں۔ اس لئے قدرتاً ایک دوسرے

کے مابین جو بُعد اور دوری کا ہے وہ کم نہیں ہو پاتی۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ملکی وحدت اور سالمیت کی خاطر مخالف نظریات اور مذاہب کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا کریں اور ان کو اپنے خصائص اور لوازمات کے ساتھ زندہ رہنے کا حق دیں۔ درحقیقت مذکورہ اصول ہی زندگی گزارنے کا مہذب، معقول اور بقائے باہم کا صحیح طریقہ ہے جس کے لئے وسعتِ قلب، وسعتِ ذہن، وسعتِ نظر اور وسعت ظرف درکار ہے اس سے ہم انسان اور انسانیت سے محبت کرنا سیکھیں گے۔ ایک دوسرے کے تئیں تعاون، ایثار اور قربانی کا پاکیزہ جذبہ بیدار ہوگا اور اس سے ایک فلاحی اور مہذب معاشرے کے قیام کی راہیں ہموار ہوں گی۔

اسلام کا اقتصادی نظام

تالیف: مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمٰنؒ

ایک عظیم الشان کتاب جس میں اسلام کے پیش کئے ہوئے اصول وقوانین کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت وسرمایہ کا صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کا راستہ نکالا ہے اور جس پر عمل کرنے کے بعد سرمایہ ومحنت کی کشمکش ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام کے معاشی نظام کے ساتھ ساتھ موجودہ صنعتی اور معاشی مسائل کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

صفحات ۴۰۸، بڑی تقطیع، قیمت -/۳۰ روپے مجلد -/۴۰ روپے

ندوۃ المصنفین، ۱۴ دوبانہ اد، جامع مسجد دہلی